ڈاکٹر یاسمین سلطانہ، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو
اصغر علی، لیکچرار، شعبہ بین الاقوامی تعلقات
وفاقی اردو یونیورسٹی، عبدالحق کیمپس، کراچی

اُردو شاعری کا عصری تناظر: ارتقائی رجحان

THE CURRENT PERSPECTIVE OF URDU POETRY: AN EVOLUTIONARY TREND

Abstract

Urdu poetry is a reflection of the Sub-continent's environment and culture. Its poets had witnessed the turbulent times of 1857 and the effects of these events naturally found their way in Urdu verse. As the poet's conscience is far more sensitive than that of the common man, the poets of the day not only conditioned their poetry to the turn of events but also provided a critique of those events with an aim to bringing change in and improving the environment.

The debate conducted under the auspices of Anjuman Punjab gave a new color to the modern poetry. The poems beautifully captured natural scenes, sentimental feelings and heartfelt emotions. These modern trends are similar in tone and spirit to those of the Aligarh Movement. The national spirit had taken root in the heart and soul of poets everywhere. Just as the poets affiliated with the Aligarh Movement imbibed feelings of collective good and patiently thought out plans, poets elsewhere also began to liberally discuss the problems of the day. Moreover, they attempted to propose a logical solution to those problems

۱۸۵۷ء کا انقلاب اور ادب پر اس کے اثرات:

شاعری نے ہمیشہ انسانی زندگی کی ترجمانی کی ہے۔ شاعر پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ معاشرے اور ماحول کی بھرپور عکاسی کرتا ہے نباض ہوتا ہے وقت کے بدلتے ہوئے رویے، سیاسی کیفیت اور معاشی و معاشرتی روایت شعر و ادب کے قالب میں ڈھل جاتی ہے۔ اردو شعر و ادب برِ عظیم پاک و ہند کے ماحول اور معاشرے کا آئینہ دار ہے شاعروں اور ادیبوں نے جس تہذیبی، سماجی، ثقافتی اور سیاسی

حالات کا مشاہدہ کیا اسے شعر وادب میں بلا کم و کاست سمو دیا۔ ۱۸۵۷ء کا انقلاب بر عظیم کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے شعر وادب پر اس کے ہمہ گیر اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ ۱۷۰۷ء میں اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلوں کے زوال کا آغاز ہوا۔ بیرونی حملے مثلاً نادر شاہ، احمد شاہ ابدالی کے حملوں نے اس زوال کو تیز تر کر دیا۔ مغلوں کا عہد زوال دراصل اردو شاعری کے عروج کا زمانہ تھا۔ چنانچہ حالات کے رد عمل کے طور پر بعض روایات نے اردو شاعری میں راہ پائی۔ ان میں ایک تصوف کی روایت اور راضی بہ رضا ہونے کا احساس تھا۔ جس تیزی سے سماج انتشار کا شکار ہو رہا تھا، اس میں اردو شاعری اور ادیبوں میں بے چارگی کا احساس بہت شدید تھا۔ ابتدائی دور کے اردو شعراء جنہوں نے تصوف کی روایت کو آگے بڑھایا، ان میں سراج الدین علی خان آرزو، شاہ حاتم، میر تقی میر، خواجہ میر درد اور مرزا محمد رفیع سودا قابل ذکر ہیں۔ حالات کی بناء پر ان کی شاعری میں حزنیہ کیفیت نمایاں تھی۔[۱] شعراء کا شعور معاشرے کے دیگر افراد کے مقابلے میں سیاسی انتشار، اقتصادی بدحالی، اخلاقی پستی کا کا زیادہ ہی احساس رکھتا ہے وہ اس زوال پذیر سیاسی اور تہذیبی صورت حال سے مضطرب تھے اور اس کو روکنا چاہتے تھے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے محض اپنے اطراف کے حالات کی ترجمانی ہی نہیں کی بلکہ ان کو اپنی تنقید کا نشانہ بھی بنایا۔ انہوں نے اپنے احساس و جذبہ کو مختلف اصناف سخن میں بیان کیا ہے جیسے غزل، شہر آشوب، قصیدہ، مثنوی، مخمس، مسدس، رباعی، قطعہ وغیرہ لیکن ان تمام اصناف سخن میں دو اصناف نے خاصی مقبولیت حاصل کی۔ ایک غزل اور دوسرا شہر آشوب اردو غزل میں صرف گل وبلبل کی داستان نہیں ملتیں بلکہ واردات قلبی کے ساتھ ساتھ اس دور کے سیاسی و سماجی حالات کو بھی شعراء نے اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے۔ اس دور کے سیاسی انتشار پر شعراء نوحہ کناں نظر آتے ہیں

اس کہنہ خرابے میں آبادی نہ کر منعم
اک نہیں یاں جو ویران نہ ہوا ہوگا
(میر)

داغ فراق محبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے
(غالب)

شعراء کے اس احساس میں معاشرے کے اجتماعی غم کا عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ اس زوال پذیر سیاسی اور تہذیبی صورت حال سے مضطرب تھے اور اس کو روکنا چاہتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد مسلمانوں کو جو مصائب در پیش تھے اور اس کی بدولت انہیں جس مجبوری اور غلامی کا منہ دیکھنا پڑا اس کا احساس اور آزادی کی حسرت ہمارے شعراء کے کلام میں نظر آتی ہے۔

یہ حسرت رہ گئی کہ کس مزے سے زندگی کرتے
اگر ہوتا چمن اپنا گل اپنا باغباں اپنا
(مرزا مظہر)
قفس میں ہے کیا فائدہ شور و غل سے
اسیرو کرو کچھ رہائی کی باتیں
(بہادر شاہ ظفر)

لیکن رہائی اتنی آسان نہ تھی اس لیے مرکزی طاقت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ رہائی کی یہ حسرت، دشمنوں پر ٹوٹ پڑنے کی خواہش یوں سر اٹھانے لگی۔

کشتۂ قامت جتنے ہیں اس کے آپس میں سب مل کر
کردیں اگر اک حشر بپا، کیا اچھا ہو، کیا اچھا ہو
(بہادر شاہ ظفر)

شعراء نے جس داستان حیات کو اپنا خاص موضوع بنایا تھا اس میں ان کی آپ بیتی بھی شامل تھی اور جگ بیتی بھی۔ شعراء گلستان، باغ، گلزار وغیرہ رمز و علامت میں اپنے وطن اور گھر کا ذکر کرتے جبکہ صیاد اور گلچیں غارت گروں اور دشمنوں کے لیے علامات کے طور پر استعمال ہو رہے تھے۔

اے گل تو رخت باندھ اٹھاؤں میں آشیاں
گل چیں تجھے نہ دیکھ سکے باغباں مجھے
(درد)

جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ہزاروں لوگ قتل ہوئے، سینکڑوں اپنے گھر بار، جائیداد سے بے دخل کئے گئے۔ یہ صورت حال شعراء کے ہاں یوں راہ پانے لگی۔

چوک جس کو کہیں، وہ مقتل ہے
گھر، نمونہ بنا ہے زنداں کا
(غالب)
لٹا گھر ،دیار وطن بھی چھٹا
چھٹے سب کے سب دوست اور آشنا
(مفتی سید احمد بریلوی)

ظہیر دہلوی نے اپنے شہر آشوب میں ''ہڈسن'' کے ہاتھوں بہادر شاہ ظفر کے بیٹوں اور پوتے کے بے دردی سے قتل کا ماجرا بڑے دلدوز انداز میں بیان کیا ہے۔

نہال گلشن اقبال پا سنبھال ہوئے
گل ریاضِ خلافت لہو میں لال ہوئے
یہ کیا کمال ہوئے اور کیا زوال ہوئے
کمال کو بھی نہ پہنچے تھے جو زوال ہوئے
جو عطر گل کو بھی نہ ملتے ملے وہ مٹی میں
جو فرش گل پہ نہ چلتے ملے وہ مٹی میں
(ظہیر دہلوی)

دہلی پر اپنا تسلط جمانے کے بعد انگریزوں نے شکست وریخت کا ایک سلسلۂ شناسی شروع کر دیا تھا۔ جس کے نتیجے میں دلی ویرانی و بربادی کا کھنڈر بن چکا تھا۔ شعراء ایک طرف مغلیہ سلطنت کے زوال، تمدن و معاشرت کی تباہی اور قوم کی بے بسی و بے چارگی کی تصویر پیش کر رہے تھے تو دوسری طرف دلی کے تخت و تاراج ہونے کا دلدوز سانحہ شاعری میں جگہ پا رہے تھے۔

ایک اہل درد نے سنسان جو دیکھا قفس
یوں کہا آتی نہیں اب کیوں صدائے عندلیب
(درد)

بال و پر دو چار دکھلا کر کہا صیاد نے
یہ نشانی رہ گئی اب بجائے عندلیب
(درد)

روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے
کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیا ہوتا ہے
(غالب)

شہر دہلی میں ظلم و ستم کا جو بازار گرم ہوا، قتل وغارت گری کی جو کیفیتیں دیکھنے میں آئیں اس نے شعراء دہلی کو شہر چھوڑنے پر مجبور کر دیا وہ نہایت کسمپرسی میں مقام امن اور جائے پناہ کی تلاش میں نکلے۔ دورانِ سفر جو صعوبتیں در پیش آئیں اس کا ذکر بڑے دلکش پیرائے میں شعراء نے اپنے کلام میں پیش کیا۔

رنگ بو کے گل اہل چمن چمن سے چلے
غریب چھوڑ کر وطن وطن سے چلے
نہ پوچھ زندوں کو بے چارے کس چلن سے چلے

قیامت آئی کہ مردے نکل کفن سے چلے
مقام امن جو ڈھونڈا تو راہ بھی نہ ملی
یہ قہر تھا کہ خدا کی پناہ بھی نہ ملی
(داغ دہلوی)

خاک بھی سر پر ڈالنے کو نہیں
کس خرابے میں ہم ہوئے آباد
(میر)

سیاسی عدم استحکام اور امن و امان کے فقدان کے نتیجے میں بے روز گاری اور معاشی بد حالی نے جنم لیا۔ بد امنی اور سیاسی انتشار کے اثرات شہر اور دیہات دونوں پر یکساں تھے۔ نادر اور ابدالوں کے حملے کے بعد ملک کے خزانے کو اس وقت شدید دھچکا پہنچا جب زراعت کی حالت مخدوش ہونے پر صوبے داروں نے مرکزی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود سری اختیار کر لی اور مرکزی حکومت کو مالیہ دینا ترک کر دیا۔ اس عمل نے فوج کے ساتھ ساتھ طبقۂ امراء کو بھی بے حد متاثر کیا۔ شاعری کی اقتصادی حالت تمام طبقوں میں زیادہ غم انگیز تھی۔ ۲

کیا سپاہی کام پر آقا کے ادب دیتا ہے جی
بھوک سے تنگ ہو کہ زندگی سے سیر جنگ
(سودا)

اب سب کے روز گار کی صورت بگڑ گئی
لاکھوں میں ایک دو کا کہیں کچھ بناؤ ہے
(میر)

شعر کی فکر بن آتی ہے جس کو
درد کی طرح کچھ فکر نہ ہو روزی کی
(درد)

کیا کیا میں بتاؤں زمانے کی کئی شکل
ہے وجہ معاش اپنی سو جس کا بیاں ہے
(سودا)

دہلی کی افتاد گان نے دہلی کے ارد گرد کی ریاستوں میں پناہ حاصل کیں۔ شعراء کی خوشحالی اور قریب ہونے کی وجہ سے ہجرت کے لیے لکھنؤ کو منتخب کیا کچھ شعراء ایسے تھے جنہوں نے اپنی شاعری کی

ابتداء تو دہلی سے کی لیکن انہیں شہرت لکھنؤ میں ملی۔ دہلی کی طرح لکھنؤ کے شعراء بھی اپنے ماحول کے ترجمان ہیں۔ لیکن ان کے کلام میں اس امر کا اظہار بھی موجود ہے کہ وہ بے بس تنکے کی طرح اس بہاؤ میں بہہ رہے تھے اور ان میں یہ احساس اودھ کے سیاسی حالات کے عین مطابق تھا۔ آئے دن انگریز کی ریشہ دوانیاں جیسے جیسے اودھ میں تسلط جما رہی تھی اس نے ہوش مندوں کی نظروں میں آئندہ کی صورتحال واضح کر دی تھی۔ اس ماحول میں شعراء کے ہاں انقلاب زمانہ کی پیدا کردہ تلخیاں نظر آتی ہیں۔

سمجھے نہ امیران کو کوئی نہ وزیر
انگریزوں کے ہاتھ اک قفس میں ہیں اسیر
(جرأت)

دل تو پژمردہ ہیں داغ غم گلستاں ہوں تو کیا
آنکھیں ہوتی ہیں دہان زخم خنداں ہوں تو کیا
(منیر شکوہ آبادی)

گھر کرنے کی پوچھ نہ مصیبت ہم سے
روتی ہے لپٹ لپٹ کر حسرت ہم سے
(امیر مینائی)

لٹا گھر دیار وطن بھی چھٹا
چھٹے سب کے سب دوست آشنا
(سید احمد)

انگریزوں نے جنگ آزادی میں حصّہ لینے والے محب وطن افراد کو ظلم و ستم کا نشانہ بنانے کے لیے باندہ یا کسی اور شہر کے قید خانے میں ہی نہیں رکھا تھا، انھیں جزیرہ انڈمان میں بھی مقید رکھا تھا۔۳ کچھ شعراء نے اپنے کلام میں مجاہدین کی روداد دل کی ترجمانی کی ہے۔

کچھ شواہد قید کے لکھوں اگر
خون ٹپکے ہر لب تقریر سے
باندہ کے زنداں میں لاکھوں ستم
سہتے تھے ہم گردش تقریر سے
(منیر شکوہ آبادی)

ہشیاری رنج دیتی ہے قید فرہنگ کا
دیوانگی نشانہ بناتی ہے سنگ کا (آشنا)

المختصر ۱۸۵۷ء کی ناکامی سے پیدا ہونے والے معاشی، معاشرتی، سماجی، اقتصادی اور نفسیاتی صورت حال کو ہمارے شعراء نے بہ حسن وخوبی اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس اظہارِ خیال کے لیے شعراء نے کوئی خاص ہئیت مختص نہیں کی۔ غزل، نظم، شہر آشوب، قطعہ، مخمس، مسدس، رباعی، موزونئی طبع کے لحاظ سے شاعری کی مروجہ ہئیت میں شعراء نے اپنی محسوسات اور مشاہدات کو رقم کیا ہے۔ ہمارے شعراء نے صرف حسن وعشق، گل وبلبل اور فراق ووصال جیسے موضوعات کو ہی اپنی شاعری میں جگہ نہیں دی ہے بلکہ داخلی کیفیت کے ساتھ ساتھ خارجی ماحول سے متاثر رہے اور اپنی شاعری میں ہر دور کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل کو اپنے موضوع بناتے ہوئے اس کی تعمیر میں اپنا کردار ادا کیا۔

اردو شاعری میں انجمن پنجاب کا کردار:

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد دلی اور لکھنؤ جو شعر وادب کا گہوارہ تھا تقریباً ویران ہو گیا۔ شعر وادب سے دلچسپی رکھنے والوں نے مختلف علاقوں کی طرف ہجرت شروع کر دی۔ کچھ حیدر آباد دکن پہنچے اور کچھ نے پنجاب کا رخ کیا۔ پنجاب میں سیاسی اعتبار سے حالات سازگار تھے لہٰذا یہاں علمی، ادبی اور تعلیمی سرگرمیوں کا نئے سرے سے آغاز ہوا اور ۱۸۵۶ کو باقاعدہ محکمہ تعلیم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جس سے پنجاب میں تیزی سے اسکول وکالج قائم ہوئے۔ ڈاکٹر لائٹر ز جو گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل تھے کرنل ہالرائیڈ کی مدد سے ۲۱ جنوری ۱۸۶۵ء کو ''انجمن پنجاب'' قائم کی۔ یہ انجمن اپنے وسیع تر تناظر میں مختلف امور کا احاطہ کئے ہوئے تھی۔ اس زمانے میں بہت سی ادبی انجمنوں میں سے ایک انجمن پنجاب ہی ایسی تھی جس نے آگے چل کر اردو ادب پر گہرے نقوش مرتسم کئے۔ ۴ اس انجمن نے نئی تہذیب اور نئے علوم کی اشاعت کے لئے اخبار اور رسالے شائع کیے۔ مذاکروں اور مجالس کا اہتمام کیا اور طرحی مشاعرے کی جگہ موضوعاتی مشاعرے کروا کے نظم نگاری کو ایک جدید رنگ دیا۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں جدید شاعری کا آغاز ہالرائیڈ کی کوششوں سے عمل میں آیا۔ البتہ محمد حسین آزاد جو اس انجمن کے معماروں میں سے تھے اپنے خطبات کے ذریعے انگریزی شاعری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اردو شاعری کا محاسبہ کیا اور یہ خطبات جدید اردو شاعری کی تحریک میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گو کہ اس مشاعرے کے تحت پڑھی جانے والی نظموں میں زبان کے چٹخارے کے سوا کوئی جان نہ تھی زیادہ تر نظمیں مناظر قدرت کے لحاظ سے پڑھی گئیں۔ جن میں سارا زور بیرونی عکاسی پر رہا اندرونی سطح کو چھونے کی صلاحیت ان میں نہیں تھی۔ البتہ تیسرے مشاعرے میں امید کے موضوع پر نظمیں پڑھی گئیں۔ جس میں حالی نے تاریخ کے پس منظر میں امید کی کار فرمائیوں کا نقشہ کھینچا۔ چوتھے مشاعرے میں حب وطن کو موضوع بنایا گیا۔ پانچواں مشاعرہ ''امن'' کے موضوع پر چھٹا مشاعرہ ''انصاف'' کے موضوع پر ہوا ساتواں ''مروت'' آٹھواں ''قناعت'' اور نویں مشاعرے کا موضوع ''تہذیب'' تھا۔ ان تمام مشاعروں میں چونکہ ممتاز اور نمایاں شعراء شامل نہیں تھے سوائے حالی کے اس لیے وہ معیار ومیزان نہ بن سکے۔ البتہ حالی کی مثنویوں میں فطری مرقعوں جذباتی کیفیات اور واردات قلبی کی خوبصورت عکاسی ملتی ہے۔ ۵

علی گڑھ کے اثرات اردو شاعری پر:

۱۸۵۷ء کی ناکامی اور مسلمانوں کے زوال کے بعد سر سید احمد خان نے مسلمانوں کی عزت و وقار کی بحالی کا راستہ صرف مادی خوشحالی میں تلاش کیا اور مادی خوشحالی مغربی علوم و فنون کے حصول اور وقت کے دھارے کے ساتھ چلنے ہی میں پوشیدہ تھی۔ اس لحاظ سے علی گڑھ تحریک کی پہلی فکری بنیاد بھی مادیت اور ترقی تھی۔ جبکہ دوسری فکری بنیاد عقلیت تھی۔ سر سید کے خیال میں مذہبی امور میں عقلی اور استدلالی اندازِ نظر ضروری ہے۔ آنکھ بند کر کے کسی عقیدہ کی حمایت یا تقلید زمانے کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی۔ اسی نکتۂ نظر کے زیر اثر انہوں نے مذہبی معاملات میں ترقی پسندانہ انداز اختیار کیا۔ اس تحریک کی تیسری بنیادی فکر تصور اجتماعیت تھا۔ ان کا خیال تھا کہ یہ انفرادی کوششوں کا زمانہ نہیں بلکہ ایک قومی اور ملی شعور پیدا کرنے کا وقت ہے جس کے لیے پوری قوم کو متحرک ہونا چاہیے۔ چوتھی فکری بنیاد ان کی نیچریت تھی۔ ادب و تہذیب کا اصول قدرت کے مطابق ہونا چاہیے اور مبالغہ اور جذباتیت کی جگہ حقیقت اور اصلیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔۶

سر سید نے جس طرح قومی اور ملی شعور بیدار کیا اسی طرح انہوں نے اردو شعور ادب کے مزاج کو بھی بدل ڈالا۔ علی گڑھ کالج صرف سیاسی اعتبار سے مسلمانوں کا پلیٹ فارم ثابت نہیں ہوا بلکہ اس کالج نے اس وقت کے تمام علمی اور ادبی سر گرمیوں کے لیے ایک ترقی پسند حلقہ پیدا کر دیا۔ اگرچہ علی گڑھ تحریک سے پہلے اردو کی نئی شاعری کی بنیاد لاہور میں "انجمن پنجاب" کے ذریعے پڑ چکی تھی۔ البتہ اس کی نشو نما علی گڑھ تحریک کی آب و ہوا میں ہوئی۔ سر سید کے عقلی اور مادی نکتۂ نظر نے شعر و ادب کا زندگی سے گہرے تعلق کو جنم دیا۔ ان کے خیال میں ادب بے کاروں کا مشغلہ یا محض تعنن طبع کی چیز نہیں بلکہ یہ عین زندگی ہے اور اس میں زندگی کے حقائق اس طرح بیان ہونے چاہیئیں کہ اس سے زندگی اور معاشرے کو فائدہ پہنچے۔ یوں انہوں نے شعر و ادب کے بنیادی نکتہ نظر کو اہمیت دی۔ لیکن شاعری میں اس مقصدیت کی کوشش انجمن پنجاب کے ذریعے شروع ہو چکی تھی۔ آزاد اور حالی اس حوالے سے تحریک کے سر گرم رکن رہے تھے۔ آزاد اردو زبان کے گرد کوئی جامد حصار باندھنے کے حق میں نہیں تھے بلکہ اس کی ترقی اور فروغ کے لیے بدیسی زبانوں بالخصوص انگریزی سے استفادہ کے قائل تھے۔ ے وہ چاہتے تھے اردو میں انگریزی کی طرح بامقصد اور معیاری ادب تخلیق ہو بلکہ حالی نے شاعری میں جدت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے خراب و خستہ حال کی طرف بھی توجہ دی۔ حالی نے انجمن پنجاب کے مشاعرے میں صرف چار نظمیں پڑھیں تھیں۔ انجمن پنجاب سے ہٹ کر حالی نے زمانہ کے بدلتے ہوئے ہمہ گیر رجحانات کے احساس کو "حیات سعدی" میں پیش کیا اور ان کا "مسدس" اور "مقدمہ شعر و شاعری" ان کی جانب سے اردو شاعری میں اجتہاد شعری کا نقطہ عروج تھا۔۸ شعر و ادب کے افادیت کو مد نظر رکھتے ہوئے سر سید نے "محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" قائم کی۔ اس کانفرنس کا مقصد یورپیں سائنس اور لٹریچر کی اشاعت اور قدیم علوم پر تحقیق اور اعلیٰ تعلیم کی طرف رغبت دلانا تھا۔ اس کانفرنس نے بر صغیر کے مسلمانوں میں قومی و ملی شعور اجاگر کیا۔ ۱۸۸۶ء سے لے کر ۱۹۴۵ء تک اس کے ۵۴ سالانہ اجلاس ہوئے۔ تقسیم کے بعد کراچی میں دو اور خیر پور میں ایک اجلاس بالترتیب ۱۹۵۴ء، ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۲ء میں ہوئے۔ اس کانفرنس میں ایسی

نظمیں پڑھی جاتی تھیں جو زندگی، سماج اور قومی شعور سے متعلق ہوتی تھیں۔ شروع کے دو اجلاس میں کوئی نظم نہیں پڑھی گئی جبکہ تیسرے جلسے میں مسلمانوں کی تعلیم و تہذیب سے متعلق ریزویشن منظور کئے گئے۔ تیسرے اور اس کے بعد کے تمام اجلاس میں عربی، فارسی اور اردو نظمیں پڑھی گئیں۔ علی گڑھ تحریک سے متاثر شاعروں کے یہاں اجتماعی طور پر محسوس کئے ہوئے جذبات اور سوچے سمجھے افکار پائے جاتے ہیں۔ قومی مسائل کا کثرت سے بیان اور ان کا عقلی حل ان نظموں کا خاصہ ہے۔

گئے وہ دن کہ عقل و ہنر انساں کا اک زیور
ہوئی ہے زندگی خود منحصر علم و دانش پر
(حالی۔ چوتھا اجلاس ۱۸۸۹ء)

ضرورت اب گو ہم کو تو بس ہے ان بزرگوں کی
کہ جن میں خیر سے کچھ کر دکھانے کے بھی ہوں جوہر
فقط باتیں نہ ہوں کچھ کام بھی بن آئے ہاتھوں سے
کہیں جو کچھ وہ منہ سے کر دکھائیں اس سے کچھ بڑھ کر
(شبلی نعمانی، آٹھواں اجلاس۔ ۱۸۹۳ء)

خوش خیالی یہ نہیں ذہن جہاں تک پہنچے
بلکہ پہنچے یہ جہاں ہاتھ وہاں تک پہنچے
(مولوی فضل الحق آزاد عظیم آبادی، چودھواں اجلاس۔ ۱۹۰۰ء)

اپنی مدد کو ہم خود اپنا ہی فرض سمجھیں
ہم اپنی بہتری کی خود ہی کریں ضمانت
(منشی قمر الحسن قمر بدایونی۔ ۴۳ تینتالیسواں اجلاس۔ ۱۹۳۱ء)

یوں اردو نظم میں حب الوطنی کا جذبہ، قومیت کا احساس اور آزادی کی روح بیدار ہونے لگی۔ سر سید کے افادی نکتہ نظر نے اردو شاعری کو اس قابل کر دیا کہ اب اس میں حیات و کائنات کے بھرپور مسائل کی ترجمانی ہونے لگی۔ زندگی کے حقائق ان کی نیچر یا قدرت سے مطابقت، عمل اور ترقی کی اہمیت ۔انسان اور معاشرے کا تعلق اور شعر و ادب سے تمدن اور معاش کا ربط و تعلق اور عقل و دانش کی برتری۔ یہ وہ موضوعات تھے جن کو علی گڑھ تحریک کے زیر اثر شعر و ادب میں جگہ ملی۔ علی گڑھ تحریک کے زیر اثر اسلوب پر موضوع کو فوقیت دی گئی۔ جس کے لیے نظمیں زیادہ مفید ثابت ہوئیں اور اس لیے اس عہد میں نظموں کو فروغ بھی نصیب ہوا۔ ۹

علی گڑھ تحریک سے متاثر شعراء میں حالی صف اول میں ہیں۔ حالی کی شاعری میں حب الوطنی

کا تصور انجمن پنجاب کے ذریعے پیدا ہو چکا تھا۔ البتہ سرسید کی تحریک کے زیر اثر ایک مؤثر اور فعال رکن کی حیثیت سے ان کے خیالات اب مربوط اور منظم طریقے سے شاعری میں پیش ہونے لگے۔ مسدس مدو جذر اسلام حالی کا شاہکار ہے۔ اسے بلاشبہ اردو کی پہلی عظیم نظم کہہ سکتے ہیں۔ اس میں بڑے مربوط انداز میں ظہور اسلام، اسلام کی وہ روشنی اور بیداری جو عرب میں پھیلی، اسلام کا عروج، اسلامی تہذیب و ثقافت کی عظمت و شوکت اور اس کے باقیات الصالحات، ہندوستان میں مسلمانوں کی زبوں حالی اور مغلوبیت، دوسری اقوام کی کامیابیاں اور ان کے اسباب اور پھر مسلمانوں کی ترقی اور فلاح کے لیے تجاویز، اس مسدس میں مؤثر انداز میں نظم ہوئے ہیں۔ مسدس کے علاوہ حالی نے جو نظمیں لکھیں ان میں بیشتر اسی موضوع کی ترجمانی کرتی ہیں اور بعض اس موضوع سے ہٹ کر ہیں لیکن ان میں قومی اصلاح کے کسی نہ کسی پہلو کو مدِ نظر رکھا گیا ہے۔ اس وقت کی صورت حال کے پیش نظر سب سے اہم اور فوری مسئلہ مسلمانوں کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کا تھا اور اس مقصد کے لیے انہیں جدید تعلیم کے حصول کی طرف راغب کرنا تھا۔ حالی نے تعلیم و معاش کی جدوجہد میں مسدس کے علاوہ جو اہم نظم میں پیش کیں ہیں ان میں ''مدرستہ العلوم علی گڑھ''، ''مسلمانوں کی تعلیم''، ''علی گڑھ کالج کیا سکھاتا ہے''، ''ننگ خدمت''، ''فلسفہ ترقی'' وغیرہ ہیں۔ علی گڑھ کالج کی اہمیت اس کی قومی و ملی خدمات، مسلمانوں کی معاشی اور معاشرتی حالت کو بہتر بنانے کے سلسلے میں جدید تعلیم ضرورت و اہمیت اور سرسید احمد خان کی کاوشوں کی تعریف و توصیف شامل ہے۔ معاشرتی اصلاح کے سلسلے میں حالی نے عورتوں کے حقوق اور مسائل پر بھی بڑی مؤثر نظمیں تحریر کی ہیں۔ مثلاً ''چپ کی داد''، ''مناجات بیوہ'' وغیرہ۔ مسلمانوں کی معاشی حالت بہتر بنانے کے سلسلے میں ''ننگ خدمت''، ''دولت اور وقت کا مناظرہ'' وغیرہ ان کی مثالی نظمیں ہیں۔ مسدس کے علاوہ دوسری نظموں میں بھی انھوں نے مشرق کی جہالت اور غفلت پر تاسف کیا ہے۔[10] نظم ''شکوہ ہند'' میں حالی نے برعظیم میں مسلمانوں کی فاتحانہ آمد اور زوال کا نقشہ بہت مؤثر انداز میں کھینچا ہے۔

پر گلہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم لائے تھے ساتھ
وہ بھی تو نے ہم سے لے کر کر دیا بالکل گدا
(شکوہ ہند)

علی گڑھ تحریک کے دوسرے بڑے شاعر شبلی ہیں۔ شبلی اگرچہ سرسید کی بڑھتی ہوئی عقلیت کے قائل نہیں تھے مگر مجموعی طور پر وہ علی گڑھ تحریک کے حامیوں میں سے تھے۔ حالی کے ہاں آزادی کے جس جذبے کا اظہار دبے دبے اور معتدل لہجے میں ہوا ہے۔ شبلی کے ہاں وہ پرجوش لاوا بن کر ظاہر ہوا ہے۔ ان کا سیاسی شعور واضح تھا۔ وہ اگر سرسید کی مغرب پرستی کو پسند نہیں کر رہے تھے تو دوسری طرف

علماء کی تنگ نظری سے بھی بیزار تھے۔ وہ مسلمانوں کو مجموعی طور پر ایک حریت پسند اور روشن خیال قوم بنانا چاہتے تھے تاکہ آگے چل کر وہ ہندوستان کی قیادت میں مناسب حصّہ لے سکیں۔ ۱۱ لیکن مجموعی طور پر شبلی کی قومی اور سیاسی شاعری پر علی گڑھ تحریک کے اثرات نمایاں ہیں۔

مثنوی ''صبح امید'' میں اپنی قوم کے احساس کو جھنجھوڑتے ہوئے کہتے ہیں۔

کیا یاد نہیں وہ آلام ،جب قوم تھی مبتلائے آلام
وہ قوم کہ جان تھی جہاں کی، وہ تاج تھی فرق آسماں کی
گل کر دیئے تھے چراغ جس نے، قیصر کو دیئے تھے داغ جس نے

انہوں نے قوم کو سہل طلبی سے نکال کر سعی کی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش کی۔

طلب اور سعی سے کچھ کام بن آئے تو بن آئے
فصاحت اور بلاغت کا بس اب چلتا نہیں منتر
تمہیں جو کام ہیں در پیش وہ مشکل سے مشکل ہیں
مگر کرنے پہ آجاؤ تو آساں سے آساں تر ۱۲
(آٹھواں اجلاس۔ علی گڑھ ۱۸۹۳ء)

سیاسی نظموں میں ''شہر آشوب'' ،''اسلام اور رفاہ عام''،''مذہب یا سیاست''،''خطاب بہ اصرار'' اور ''علمائے زندانی'' قابل ذکر ہیں۔ شبلی جب تک علی گڑھ سے وابستہ رہے ان کی شاعری اصلاحی تحریک کی متابعت رہی۔ ان کی شاعری کا ابتدائی دور بیسویں صدی کی ابتداء میں مسلمانوں کے سیاسی تحریکات سے متعلق ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اسلامی دنیا انقلابات سے دوچار تھی۔ ان انقلابات نے شبلی کو بہت متاثر کیا۔ ان انقلابی واقعات کو انہوں نے نظم کئے۔

مراکش جا چکا فارس گیا اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریض سخت جاں کب تک

شبلی نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسوں میں جو نظمیں پڑھی تھیں، وہ بڑے پر جوش اور پر درد انداز میں لکھی گئی تھیں، ان میں تاریخی واقعات کے حوالے سے مسلمانوں کو غیرت دلائی گئی تھی اور انہیں ترقی کے حصول کی ترغیب دی گئی تھی۔

دیکھنا آپ کھڑے ہوں گے ہم اپنے بل پر
غیر سے چارہ نوازی کا تقاضا کیا
قوم کی رگ میں ہے اب تک وہی اسلاف کا خوں
پژ مردہ بھی ہے یہ گلِ رعنا کیسا ۱۳

شبلی نے اپنی نظموں میں حکومت اور نظام حکومت پر بھرپور طنز کیا جو جذبات سے بھرپور، جو شیلی اور اشتعال انگیز تھیں۔

صیغۂ فوج میں تخفیف مصارف ہے ضرور
سینۂ ملک پر افسوس کہ بھاری ہے یہ سل

علی گڑھ تحریک سے متاثر شعراء میں تیسرا بڑا نام نذیر احمد کا ہے نذیر احمد کی توجہ اگرچہ شاعری سے زیادہ ناول نگاری پر تھی اس لیے ان کی شاعری حالی اور شبلی جیسی معیاری نہیں تھی۔ انہیں تو سرسید کی تحریک اصلاح نے شاعر بنا دیا تھا۔ ان کی قومی شاعری کا آغاز اس طویل نظم سے ہوا جو ''مرثیہ مبتلا'' کے عنوان سے ان کے ناول ''محصنات'' میں شامل ہے۔ حالی اور شبلی کی قومی نظموں سے متاثر ہو کر شبلی نے بھی اصلاح معاشرہ کے لیے نظموں کو ذریعہ ابلاغ بنایا۔ سرسید کی فرمائش پر محمڈن ایجوکیشنل کے جلسوں میں انھوں نے متعدد نظمیں پڑھیں۔

با طمینان اسباب ترقی جمع ہیں سارے
اگر تم کام میں لاؤ طلب کو جہد، کو جہ کو ۱۴

نذیر احمد زمانۂ طالب علمی ہی سے سرسید سے متاثر تھے۔ سرسید احمد حان سے انہیں خاص عقیدت اور وابستگی تھی انہوں نے سرسید کے حق میں ''قوم کا سیما'' ''سرسید احمد خان کے احسانات'' اور ''مرثیہ سرسید احمد خان'' جیسی نظمیں کہیں۔

انہوں نے ۱۸۹۵ء کے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے جلسے میں نظم پڑھی جس میں سرسید کی کاوشوں کو سراہا اور ان کی خدمات کا جائزہ لیا اور علی گڑھ تحریک کو ترقی کی راہ بتائی۔

بچایا ڈوبنے سے کشتئ دین مجھ کو
الہیٰ نوح کی سی عمر دے سر سید احمد کو
علی گڑھ ہو کے سیدھی راہ نکلی ہے ترقی کی
ہمارے ساتھ ہو لو جلد تر پہنچے گے مقصد کو ۱۵

یہ تو وہ شعراء تھے جو براہِ راست علی گڑھ تحریک کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتے تھے لیکن اس تحریک کے براہِ راست حلقہ بگوشوں میں وحید الدین سلیم، خوشی محمد ناظر، محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، خان بدایونی، اقبال سہیل اور بہت سے غیر معروف شعراء بھی شامل ہیں جنھوں نے علی گڑھ تحریک کے نظریات اور عقائد کو اپنی نظموں میں پیش کیا۔ کچھ وہ بھی تھے جو اپنے طور سے انہیں خیالات کو پیش کرتے رہے اگرچہ براہ راست اس سے متعلق نہیں تھے۔ ان میں مولانا محمد حسین

آزاد، اسماعیل میرٹھی، عبدالحلیم شرر، شوق قدوائی نظم طباطبائی اور صفی لکھنوی ممتاز ہیں۔[16] یہ شعراء سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء سے براہ راست مستفید تھے۔ ان کی تحریک کو فروغ دینے اور کامیاب بنانے میں متعدر رہے۔ انھوں نے اپنے دور میں اٹھنے والی تمام اسلامی اور سیاسی تحریکات میں شمولیت اختیار کی اور علمی و تحریری کوششوں کے ساتھ آزادی کی جدوجہد میں اپنی شاعری کو بھی موئثر ذریعہ کے طور پر استعمال کیا۔ یہ اپنے عہد کے معاشرتی اور سیاسی حالات سے متعلق اور نئے مغربی سیاسی، علمی و معاشرتی رجحانات سے متاثر تھے۔ ان تمام باتوں کا عکس ان کی شاعری میں موجود ہے۔[17]

حواشی

١۔ منظر اعظمی ''اردو ادب کے ارتقاء میں ادبی تحریکوں اور رجحانوں کا حصّہ'' اترپردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ۔ ١٩٩٦ء ص ١٩٩ تا ٢١١۔
٢۔ ڈاکٹر انور سدید ''اردو ادب کی تحریکیں'' ۔ انجمن ترقی اردو، پاکستان۔ ٢٠١٠ء۔ ص ٣٦٢۔
٣۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل ''تحریک آزادی میں اردو کا حصّہ'' مجلس ترقی ادب، لاہور۔ ٢٠٠٨ء۔ ص ٢٤٩۔
٤۔ عارف ثاقب ''انجمن پنجاب کے مشاعرے''۔ الوقار پبلی کیشنز۔ 1995
٥۔ منظر اعظمی ''اردو ادب کے ارتقاء میں ادبی تحریکوں اور رجحانوں کا حصّہ اترپردیش اردو اکادمی۔ لکھنؤ ص ١٦٠ تا ١٦٦۔
٦۔ الطاف علی بریلوی، پروفیسر محمد ایوب قادری (مرتبہ) ''علی گڑھ تحریک اور قومی نظمیں'' اکیڈمی آف ایجو کیشنل ریسرچ۔ کراچی ١٩٧٠ء۔
٧۔ منظر اعظمی، ص ٢٤٢۔
٨۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل، ص ٢٥٣۔
٩۔ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ''ہندوستان کی تحریک آزادی اور اردو شاعری'' ۔ سنگِ میل پبلی کیشنز۔ لاہور ٢٠٠٥ء، ص ٣٣٣۔
١٠۔ الطاف علی بریلوی، ص ١٠٦۔
١١۔ الطاف علی بریلوی، ص ٣٩۔
١٢۔ الطاف علی بریلوی، ص ١٤٢۔
١٣۔ منظر اعظمی، ص ٢٤٧۔
١٤۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل، ص ٢٦٦۔
١٥۔ محمد حمزہ فاروقی، '' انقلاب ١٨٥٧ء اور اردو شاعری'' مشولہ ''صحیفہ'' جنگ آزادی ١٨٥٧ء نمبر، لاہور، ص ١٦٥۔
١٦۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل، '' تحریک آزادی میں اردو کا حصّہ'' مجلس ترقی ادب، لاہور، جون ٢٠٠٨، ص ٦٤۔
١٧۔ ڈاکٹر محمود الرحمن، '' جنگ آزادی کے اردو شعراء'' قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، اسلام آباد، ١٩٨٦ء ص ١٤٣۔